© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

تفسیر نسفی
ایک تحقیقی مطالعہ
(۲)

پروفیسر کبیر احمد جائسی

درج بالا شکوک وشبہات کے باوجود اس تفسیر کی اہمیت اپنی جگہ اس لیے مُسلّم ہے کہ اس کے غائر مطالعے سے مفسر کے عہد حیات کی فارسی زبان پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے ڈاکٹر عزیز اللہ جوینی نے بلا شبہہ اس پہلو سے بڑی ہی دقتِ نظری کے ساتھ زیر نظر تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا حاصل مطالعہ جلد اوّل کے مقدمہ میں پیش کر دیا ہے چونکہ یہ مطالعہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لیے ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور مثال کے طور پر صرف چند اُن الفاظ کو نقل کر دیتے ہیں جو اس مفسر نے اپنی تفسیر میں استعمال کیے ہیں مگر اب یہ الفاظ متروک ہو چکے ہیں: آختن = باہر کھینچنا، نکالنا آسغدہ = آدھ جلی لکڑی۔ آگفت = تکلیف، پریشانی۔ آماشتن = گننا، حساب لگانا، مجازاً اہمیت دینا۔ اَنْدخیدن = پناہ میں دینا۔ بجہ = پیشانی کے بال۔ خشودن = رحم کرنا۔ چوب خوارج = دیمک، خویدر = چنگاری۔ درویگی کردن = منافقت کرنا، جھوٹ بولنا۔ سَفَدُ = چھت۔ کنانہ = قدیمی، کہنہ۔ نخچیر = حیوانِ درندہ و وحشی۔ ہبش = ہوش۔

ہم نے طولِ کلام سے بچنے کے لیے بہت سے الفاظ کو نقل نہیں کیا ہے۔ زیرِ نظر تفسیر کے متن کا مطالعہ پیش کرنے سے پہلے یہ جتلا دینا ضروری ہے کہ مفسر نے ترجمہ و تفسیر کو اس طرح باہم دگر خلط ملط کر دیا ہے کہ بعض اوقات یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ترجمہ کہاں ختم ہوا اور تفسیر کہاں سے شروع ہو گئی۔

ہم سورۂ بقرہ کی ایسی آیتوں کے مطالعہ سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں جن کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجیہ، تاویل وتشریح کے لیے قدیم مفسروں نے ہی نہیں بلکہ جدید اور جدید ترین مفسروں نے بھی موجودہ توریت کی بیان کردہ روایات کا سہارا لیا ہے۔ ان آیات کی جو ترجمانی زیر نظر تفسیر میں کی گئی ہے وہ درج ذیل ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ
قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ
هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا
وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا
وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○ (البقرہ: ۲۴۶)

"نیافتہ (ای) خبر گروہی را از بنی اسرائیل کہ بودند از بعد موسیٰ، چون گفتند مر پیغامبر خویش را اشموئیل کہ مارا ملکی برپای کن تا باوی بہ حرب رویم در راہ رضای مولیٰ۔ گفت چنان ہست کہ اگر قتال بر شما فریضہ شود نروید، و از گفتہ پشیمان شوید، گفتند: کی بود کہ با ایشان حرب نکنیم و ایشان مارا از خانہ ہای ما بیرون کردہ، و فرزندان ما را بردہ (بردہ) چون قتال بر ایشان فریضہ شد بہ فرمان، روی بگردانیدند و خلاف کردند مگر اندکی از ایشان، و خدای تعالیٰ داناست بہ عقوبت ستمکاران۔ و این حرب ایشان را با جالوت می بایست کرد، و وی ملکی بود با قوت و عدت؛ سیصد رطل آہن خود سری او بود، و ہشصد ہزار سوار مبارز لشکر او بود۔ آمدہ بود و با بنی اسرائیل حرب کردہ، و سران را کشتہ، و اموال و اولاد را بہ غارت بردہ، و ایشان را از خان ومان ایشان بیرون کردہ "

(کیا تم کو حضرت موسیٰ کے بعد کے بنی اسرائیل کے اس گروہ کے بارے میں خبر نہیں ملی ہے جب کہ انھوں نے اپنے پیغمبر اشموئیل سے کہا کہ ہم پر کوئی فرمانروا مقرر کیجیے تاکہ ہم اس کے ہمراہ (مراد سربراہی میں) رضائے الٰہی کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جائیں۔ انھوں (اشموئیل) نے فرمایا کہ اگر قتال تم پر فرض ہو جائے گا تو تم لوگ نہ جاؤ گے اور اپنی کہی ہوئی بات پر شرمندہ ہوگے، اُس گروہ نے کہا، کب ہو سکتا ہے کہ ہم اُن سے جنگ نہ کریں، اُن لوگوں نے ہم کو ہمارے گھروں سے نکال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا ہے اور اولادوں کو غلام بنا لے گئے ہیں۔ جب حکم الٰہی سے قتال اُن پر فرض ہوگیا تو اُن لوگوں میں سے ایک چھوٹی سی تعداد کو چھوڑ کر (بقیہ) لوگ (فرمانِ الٰہی) سے منحرف ہو گئے اور اُس کے خلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو سزا دینا خوب جانتا ہے ان لوگوں کو یہ جنگ جالوت سے کرنی تھی۔ وہ (جالوت) ایک طاقتور اور پر جمعیت بادشاہ تھا۔ اُس کے سر کا خود تین سو رطل لوہے کا تھا اور اُس کا لشکر آٹھ سو ہزار جنگی سواروں پر مشتمل تھا۔ وہ آیا تھا اُس نے بنی اسرائیل سے جنگ کی، اُن کے سرداروں کو قتل کیا اور اُن کے مال و اولاد کو غارت کیا اور اُن لوگوں کو اُن کی رہائش گاہوں سے نکال باہر کیا)

درج بالا عبارت میں "اللہ تعالیٰ ظالموں کو سزا دینا خوب جانتا ہے[1]" تک کلام پاک کی آیت کے فارسی ترجمے کا ترجمہ ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کلام پاک میں صرف لفظ نبی آیا ہے اشموئیل کا نام مفسر نے اپنی طرف سے لکھا ہے۔ اِس کے بعد کی عبارت کو تفسیر سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک اشموئیل (سموئیل) نبی کے ذکر کا سوال ہے اس سلسلے میں ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی منفرد نہیں ہیں۔ قدیم و جدید بہت سے مفسروں نے درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کسی نہ کسی شکل میں ان کا نام لکھا ہے۔ انیسویں صدی کے سرسید احمد خاں اور بیسویں صدی کے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی[2] نے تو اس سلسلے میں اتنی مکمل اور طویل گفتگو کی ہے کہ اُن کی تحریروں کے سامنے ابو حفص نجم الدین عمر کی تفسیر عشر عشیر کا بھی درجہ نہیں رکھتی۔ اسی سلسلۂ سخن میں اگر اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ سرسید احمد خاں اور مولانا مودودیؒ نے بائبل سے استفادہ کرتے ہوئے جس طرح کلام پاک کی آیات

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے "اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں"۔ سرسید احمد خاں کا ترجمہ ہے "اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو" مولانا مودودی کے الفاظ یہ ہیں "اور اللہ ان میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا ہے"۔ سرسید احمد خاں کا ترجمہ لفظی ہے بقیہ دونوں ترجموں میں قرآن کے الفاظ کی روح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، سرسید احمد خاں ج ۱ عکسی طباعت ۱۹۹۵ کتابخانہ خدا بخش پٹنہ ص ۲۱۸ بعد اور تفہیم القرآن ج ۱، مکتبہ جماعت اسلامی رام پور جنوری ۱۹۵۸ ص ۱۸۷ ببعد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی توجیہ و تاویل و تفسیر کی ہے اگر اس کا علمی انداز سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بہت سے نادر اور چونکا دینے والے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی حضرات کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ ہو سکتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ: ۲۴۷)

"وگفت مرایشان را پیغامبر ایشان کہ خدای طالوت را ملکی شما کرد، و کار حرب شمارا بہ وی مفوض و مہیا کرد، گفتند: کہ، چگونہ بود وی را بر ما ملکی و وی از خاندان مملکت نی، و ما سزاوارتریم از وی بہ ملک کہ از سبط یہودائیم و ملک بنی اسرائیل را جز بدین سبط نسبت نی، و طالوت مرد درویش و وی را مال و غنیمت نی، گفت: خدای تعالیٰ بہ ملک وی را بر شما برگزید، و وی را بہ زیادتی علم حرب و قوت مخصوص گردانید؛ و خدای تعالیٰ مُلک آن را دہد، کہ خواہد، و خدای تعالیٰ جواد و غنی است و دانندہ است کہ سزاوار مُلک کیست۔"

(اور اُن کے پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے اور تمہاری جنگ کے کام کے لیے اس کو تیار کیا اور سونپا ہے۔ اُن لوگوں نے کہا وہ ہم پر بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے (جب کہ) وہ شاہی خاندان سے نہیں ہے اور ہم ملک (کی سربراہی) کے لیے اُس سے زیادہ اہل تر ہیں کیونکہ ہم یہودا کے خاندان سے ہیں اور بنی اسرائیل کی بادشاہت کو بجز اُس خاندان کے نسبت نہیں (یعنی اُس خاندان ہی کا کوئی فرد بنی اسرائیل کے ملک کا بادشاہ ہو سکتا ہے)۔ طالوت درویش منش ہے اس کے پاس مال و غنیمت بھی نہیں ہے۔ انھوں (پیغمبر) نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر بادشاہت کے لیے چنا ہے اور اُس کو جنگی علم کی زیادتی اور مخصوص قوت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک اُسی کو دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحمت فرمانے والا اور خود مختار[1] ہے، اور وہ جانتا

[1] غنی کے معنی خود مختار کے بھی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ ملک (کی سربراہی) کا اہل کون ہے)

ابوحفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی درج بالا فارسی عبارت کلام پاک کی آیت کے لفظی ترجمے پر مشتمل ہے صرف دو جگہوں پر انھوں نے لفظی انحراف کرتے ہوئے اپنی بات کہی ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ انھوں نے طالوت کے بارے میں کچھ بھی تحریر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ان کے سامنے وہ ساری روایتیں رہی ہوں گی جن کی مدد سے بیسویں صدی عیسوی کے مفسروں نے طالوت کے بارے میں اطلاعات فراہم کی ہیں۔ طول کلام سے بچنے کے لیے یہاں صرف ایک مثال کی طرف سرسری سا اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے طالوت کے بارے میں بائبل سے جو معلومات اخذ کی ہیں وہ انہی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں۔

"بائبل میں اس کا نام ساؤل لکھا ہے یہ قبیلہ بن یمین کا ایک تیس سالہ نوجوان تھا" بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے" اپنے باپ کے گم شدہ گدھے ڈھونڈنے نکلا تھا۔ راستے میں جب سموئیل نبی کی قیام گاہ کے قریب پہونچا تو اللہ نے نبی کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لیے منتخب کیا ہے چنانچہ سموئیل نبی اسے اپنے گھر لائے تیل کی کپّی لے کر اس کے سر پر انڈیلی اور اسے چوما اور کہا کہ "خدا نے تجھے مسح کیا تاکہ تو اس کی میراث کا پیشوا ہو" اس کے بعد انھوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع عام کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا۔ (۱۔ سموئیل باب ۱۰-۹)[1]

یہاں پر اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ایک قدیم فارسی تفسیر کے گم نام مفسر نے بنی اسرائیل کے نبی کا نام سموئیل نہیں اسمٰعیل بن ہلقانہ تحریر کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے بعد کی دوسری آیت میں قتادہ کے حوالے سے انہی کو یوشع بن نون تحریر

---

[1] تفہیم القرآن، حوالہ سابق جلد اول ص ۱۸۷، ۱۸۸۔ سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر میں سموئیل نبی کی کتاب پر جو بحث کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ج ۱ (خدا بخش لائبریری ایڈیشن) تفسیر سورۂ بقرہ ص ۳۲۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے[1]

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۴۷)

.... "وگفت مر ایشان را پیامبر ایشان کہ نشان ملک وی آن است کہ رسد بہ شما تابوت، کہ در رسیدن وی است دلہای شمارا قرار و ثبوت، وگویند: سکینہ شخصی بود کہ وی را چشم وصورت بود در جسم وی (کہ) چشم ہای دشمنان خیرہ شدی، و از شعاع آن وقت خصمان تیرہ شدی، واز بانگ وی دلہای ایشان تبرسیدی واسپان ایشان برمیدی۔ ونیز در وی باقیی از آنچہ ماند موسی نجی، وہارون نبی، و آن عصای موسی کلیم بود، وعمامۂ ہارون کریم بود، وپارہ ای ترنگبین، وقطعہ ای از الواح زمردین؛ می آرندش فرشتگان، اندرین آیتی است شمارا اگر ہستید تصدیق کنندگان"[2]

(اُن کے پیغمبر نے ان سے کہا، کہ اُس کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس کے آنے سے تمہارے دلوں کو قرار اور استحکام (ہوگا) اور لوگ یعنی مفسرین کہتے ہیں کہ سکینہ آنکھیں اور جسم رکھنے والا ایک شخص ہے اُس کے وجود سے دشمنوں کی نگاہیں چکاچوند اور اس کی آنکھوں کی شعاعوں سے مخالفوں کی زندگی[3] تاریک اور آواز سے اُن کے دل کانپتے ہیں اور ان کے گھوڑے بھاگ جاتے ہیں اور اُس میں سرگوشیوں میں باتیں کرنے والے موسیٰ اور نبی ہارون کی باقیات بھی ہیں اور وہ (باقیات) یہیں کلام کرنے والے موسیٰ کا عصا اور کرم کرنے والے ہارون کا عمامہ، اور مَن[4] کا ایک ٹکڑا، اور زمرد کی تختی کا ایک حصہ (قطعہ)

---

[1] بخشی از تفسیر کہن، بنیاد فرہنگ ایران تہران، ۱۳۵۱ ھ ش ص ۱۰۷، ۱۰۸ [2] یہ وقت کا مجازی ترجمہ ہے۔

[3]،[4] مَن، وہ خوراک جو اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو غیب سے عطا کرتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کو فرشتے لاتے ہیں اگر تم لوگ با ایمان ہو تو تمہارے لیے یہ علامتیں ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ یہی تابوت سکینہ ہوگا)

جس آیت کی تشریح میں یہ بے سروپا افسانہ اوپر درج ہوا ہے اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے یوں کیا ہے:

"اور ان سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اُن کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجاوے گا جس میں تسکین اور برکت کی چیز ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) اور (حضرت) ہارون (علیہ السلام) کی اولاد چھوڑ گئی ہے۔ اُس (صندوق) کو فرشتے لے آویں گے۔ اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔"

اس ترجمے سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ زیر نظر مفسر نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا کلام پاک سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں [1] ہے۔ مزید براں ڈاکٹر عزیز اللہ جوینی نے جو متن مرتب کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی سقم سے خالی نہیں ہے۔ متن میں پہلے تو کلام پاک کے ارشاد کے عین مطابق صندوق کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے پھر "سکینہ" کو آنکھیں اور جسم رکھنے والا انسان بتایا گیا ہے بعد ازاں اسی تسلسل میں اُس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کی باقیات کے ہونے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ متبرک باقیات کسی صندوق یا اُس جیسی چیز میں ہو سکتی ہیں آنکھیں اور جسم رکھنے والے شخص کے اندر نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مخطوطہ کے کاتب سے بیچ کا کوئی جملہ چھوٹ گیا ہے جس کی طرف ترتیب متن کے وقت ڈاکٹر عزیز اللہ جوینی کی نظر نہیں جا سکی ایک نکتہ اور درج بالا آیت میں تحملہ الملٰئکۃ کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں

---

[1] اس "وصف" میں ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی منفرد نہیں ہیں اگر کسی کو "بوالعجبیوں" کا مطالعہ کرنا مقصود ہو تو اُس کو مولانا نظام الدین اسیر ادروی کی کتاب "تفسیروں میں اسرائیلی روایات" مطبوعہ دیوبند کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ مزید براں طالوت اور جالوت کے سلسلے میں سر سید احمد خاں نے سموئیل کی کتاب پر جو کچھ لکھا ہے اُس کو بغور پڑھنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً تمام مفسروں نے اس کا ترجمہ "فرشتے لے آئیں گے" کیا ہے یہی ترجمہ سرسید احمد خاں نے بھی کیا ہے مگر اُس کی تفسیر میں انھوں نے جمہور علماء سے اختلاف کیا ہے۔ جمہور علماء کی جو رائے ہے اس کی نمائندگی مولانا عبدالماجد دریابادی کے درج ذیل الفاظ کرتے ہیں:

"تحملہ الملئکۃ" تکوینی تصرفات جتنے بھی ہوتے رہتے ہیں سب فرشتوں ہی کے ذریعے انجام پاتے رہتے ہیں چنانچہ بیلوں کا رخ خاص اسرائیلی علاقے کی جانب کر دینا بھی فرشتوں ہی کا کام تھا اور یہی غیبی نشان تھا طالوت کی تائید میں[1]۔"

سرسید احمد خاں جمہور علماء کی رائے سے متفق نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ:

"تحملہ الملئکۃ" جالوت نے جب لڑائی میں مغلوب ہونے کے ڈر سے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل کے ملک میں بھیج دینا چاہا تو اس کو بیلوں کی جوڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کے ملک کی سرحد میں چھوڑوا دیا تھا یہ قصہ شموئیل (سرسید احمد نے ہر جگہ یہ نام "ش" ہی سے لکھا ہے) کی کتاب میں ہے ہمارے علمائے مفسرین نے کہہ دیا کہ اُن بیلوں کو جن پر کوئی ہانکنے والا نہ تھا فرشتے ہنکا لائے تھے اور یہی معنی تحملہ الملئکۃ کے قرار دے دیئے بعض عالموں نے سمجھا کہ یہ معنی تو ٹھیک تحملہ کے لفظ پر چسپاں نہیں ہوتے تو انھوں نے یہ قیاس لگایا کہ موسیٰ کے بعد سے تابوت سکینہ کو دنیا سے اوپر فرشتے اُدھر اٹھائے ہوئے تھے پھر طالوت کو لا کر دے دیا۔ یہ سب غلط قیاسات ہیں آیت کا مطلب صاف ہے کہ بنی اسرائیل کو تابوت سکینہ کے ہاتھ آنے کی بڑی خواہش تھی شموئیل پیغمبر نے جب طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو فرمایا کہ اُس کی بادشاہت میں تابوت سکینہ آجا دے گا اور جو کہ (چونکہ)

---

[1] تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمٹڈ قرآن منزل لاہور (گذارش ناشرین کی عبارت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں ۴ اراگست ۱۹۵۲ درج ہے۔ قیاس ہے کہ یہی سنہ طباعت ہوگا۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا ہاتھ آنا نہایت مشکل معلوم ہوتا تھا اِس لیے انھوں نے کہا کہ اس کو فرشتے اٹھا لادیں گے جیسے کہ ایسے موقع پر بطور تقویت قلب کے بولا جاتا ہے۔"

ہمارے خیال میں سر سید احمد خاں کا جمہور علماء سے اختلاف کرنے کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ اِس بات کے سِرے سے قائل ہی نہیں معلوم ہوتے کہ تکوینی کام فرشتوں کے ذریعہ انجام دلوائے جاتے ہیں۔ اپنے اِسی "عقیدے" کی وجہ سے وہ بہت سے قرآنی الفاظ کے لغوی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی مراد لیتے ہیں سر سید احمد خاں ہوں یا وہ مفسرین جن سے سر سید احمد خاں نے اختلاف کیا ہے اگر اپنی ساری تگ و دو متنِ قرآن کو سمجھنے تک محدود رکھتے تو ہمارے جیسے عامی اس غلجان سے بچے رہ سکتے تھے جو آج درد لا دوا بن چکا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرہ: ۲۴۹)

"... چون بر ملک طالوت متفق شدند، وطالوت وسپاہ ہا بہ صحرا آمدند، گفت: خدای تعالی شمارا بہ جوی آزمودہ خواہد کرد، ہر کہ شکم بر زمین نہد و بہ دہان از وی آب خورد وی نیست از سپاہ من، وہر کہ از وی آب را چنین نخورد ولیکن آب بہ کف برگیرد وی است از سپاہ من، دوی را خواہم بردن۔ چون رسیدند، و نیک تشنہ شدہ بودند، بہ روی در افتادند، و بہ دہان آب خوردند، مگر اندک از ایشان وآن سیصد و سیزدہ تن بودند (چون درگذشت از وی طالوت و مومنان، خبر یافتند کہ جالوت آمد با ہشصد ہزار سوار بحرب شان)؛ گفتند: ما طاقت جالوت وسپاہ وی نداریم، و با وی حرب کردن و روی آوردن نیاریم، گفتند آن کس ہا کہ بہ قیامت بی گمان بودند، و دیدار خدای

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

را تعالی امید دارند گان بودند: چند گروہ اندک کہ غلبہ کردند گروہ بسیار را بہ نصرت خدای و مرصابران راست معونت وحفظ خدای"۔

(وہ لوگ جب طالوت کی بادشاہت پر متفق ہو گئے اور طالوت اور سپاہی صحرا میں آئے، اُس (طالوت) نے کہا: اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرے گا جو شخص بھی اپنے پیٹ کو زمین پر رکھے گا (اوندھا لیٹے گا) اور اُس کے پانی کو پئے گا وہ میرے سپاہیوں میں سے نہیں ہے اور ہر وہ شخص جو پانی کو اس طرح نہیں پیے گا بلکہ پانی کو چُلّو میں لے گا وہ میرے ساتھیوں میں سے ہے۔ میں اُس کو (اپنے ساتھ) لے جاؤں گا۔ وہ لوگ جب وہاں پہونچے بہت پیاسے ہو چکے تھے اُن میں سے تھوڑے سے نے جو کہ تین سو تیرہ تھے اِس طرح پانی نہیں پیا (بقیہ لوگ) اوندھے گر گئے اور انھوں نے منہ سے (یعنی چوپایوں کی طرح) پانی پیا (جب) اُس (نہر) سے طالوت اور باایمان افراد گذر گئے تو اُن لوگوں (یعنی پانی پینے والوں) کو اطلاع ملی کہ جالوت آٹھ سو ہزار سواروں کے ساتھ اُن سے جنگ کرنے کے لیے آیا ہے[1]) ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس جالوت اور اس کے سپاہیوں کی طاقت نہیں ہے اور ہم اُس سے جنگ کرنے اور مقابل ہونے کی تاب نہیں رکھتے۔ جن لوگوں کو قیامت پر یقین تھا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی امید رکھتے تھے انھوں نے کہا چند چھوٹے چھوٹے گروہ تائید الٰہی سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئے ہیں۔ جو لوگ صبر کرنے والے ہیں اللہ ان کی حفاظت و معاونت کرتا ہے۔"

درج بالا فارسی عبارت نہ تو کلام پاک کی آیت کا لفظی ترجمہ ہے اور نہ ہی شرح وبسط کے ساتھ اُس کی تفسیر۔ مزید برآں کلام پاک میں لوگوں کے چار پایوں کی طرح پانی پینے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی مومنوں اور غیر مومنوں کی کوئی متعین تعداد بتائی گئی ہے۔ زیر نظر مفسر نے یہ سب باتیں نہ جانے کہاں سے اخذ کی ہیں ابو حفص نجم الدین

---

[1] یہ قوس اصل متن کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر بن محمد نسفی کی اِسی اجمالی تحریر کی تفصیل سید احمد خاں کی تفسیر میں موجود ہے جس کا ذکر اس موقع پر ناگزیر ہے انھوں نے اس آیت میں بیان شدہ واقعات کی شرح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ شموئیل کی کتاب میں :

"طالوت کے لشکر کو دریا کے پانی پینے سے منع کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ توریت کی کتاب قضاۃ باب ہفتم میں جدعون کے لشکر کو ایک چشمے کا پانی پینے سے منع کیا گیا تھا اور یہ واقعہ ۱۲۴۹ ء قبل مسیح میں ہوا تھا اس لیے عیسائی مورخ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں غلطی سے جدعون کے لشکر کے واقعے کو طالوت کے لشکر کے واقعے سے ملا دیا ہے۔"[۱]

عیسائی مورخوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے سرسید احمد خاں نے کتاب شموئیل کے مضامین میں باہم اختلاف کو عالمانہ دقت نظری کے ساتھ تفصیل سے اجاگر کیا ہے اور خود کتاب شموئیل کی اصالت پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ یہ پوری بحث بڑے ہی عالمانہ انداز سے کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ایسے الفاظ کا استعمال نہ ہونے پائے جو بائبل کے ماننے والوں کی دل آزاری کا سبب بنے۔ سرسید احمد خاں کی تحقیق کا ماحصل ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے :

"تمام واقعات کو خیال کرنے سے اِس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جدعون کے عہد میں جو واقعہ ہوا وہ علٰحدہ ہے اور طالوت کے عہد میں جو واقعہ ہوا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ علٰحدہ ہے اور کم سے کم اِس میں تو کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اُس زمانے کے یہود جب قرآن مجید نازل ہوا اِس واقعے کا طالوت کے عہد میں بھی واقع ہونے کا یقین رکھتے تھے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو انھیں کے مقابلے میں قرآن مجید میں اعلانیہ ایسا بیان نہیں ہوسکتا تھا۔"[۲]

---

۱ تفسیر القرآن (کتاب خانہ خدا بخش ایڈیشن) ج ۱، تفسیر سورۂ بقرہ ص ۲۲۱

۲ ایضاً ص ۲۲۶، ۲۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ: ۲۵۱)

"بر شکستند شان بہ نصرت خدای، وبکشت داؤد جالوت را بہ سنگ فلاخن بہ معونت خدای؛ و دادش خدای تعالیٰ ملک و رسالت، و آموختش صنعت زرہ گری بی آتش و آلت۔ واگر نہ دفع خدایستی بلا را از بعضی بہ قیام بعض از ایشان، ویران شدستی این جہان، ولیکن خدای تعالیٰ فضل کنندہ است بر عالمیان۔"

(اللہ تعالیٰ کی مدد سے انھوں (طالوت کے سپاہیوں) نے اُن (جالوت کے فوجیوں) کو شکست دی اور داؤد (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی معاونت سے گوپھن کے پتھر سے جالوت کو مار ڈالا، اور اللہ نے ان کو بادشاہت اور پیغمبری عطا فرمائی اور اُن کو بغیر آگ اور آلات کے زرہ بنانی سکھائی، اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی بغاوت سے بعض انسانی بلاؤں کو دفع نہ کرے تو یہ دنیا ویران ہو جائے، لیکن اللہ دنیا والوں پر فضل کرنے والا ہے۔)

یہاں یہ عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ "گوپھن کے پتھر" اور "بغیر آگ اور آلات کے زرہ بنانے" کا ذکر قرآن پاک نے مطلقاً نہیں کیا ہے۔ قرآن پاک نے صرف اتنا بتلایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اُن کو بادشاہت اور پیغمبری عطا فرمائی" "مزید برآں" "جو جو منظور ہوا اُن کو تعلیم فرمایا" "جو جو منظور ہوا" کی جو بھی تشریح کی جاتی ہے وہ انسانی دماغ کی پیداوار ہے فرمانِ الٰہی کا جزو نہیں۔ "بخشی از تفسیر کہن" کے گم نام مفسر نے جو یقیناً ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی سے متقدم تھے اپنی تفسیر میں اس طرح کی کوئی بات نہیں لکھی ہے۔ جالوت کے قتل کے سلسلے میں واعظوں اور نیم خواندہ مقرروں نے عوام میں جو قصے پھیلا رکھے ہیں اور جن کو جھوم جھوم کر بڑے خشوع و خضوع سے پڑھا اور سنا جاتا ہے اُن کے مخترع آج کے واعظ اور خطیب نہیں ہیں یہ "دولتِ بیدار" تو ایک ہزار سال سے بطور وراثت ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہی ہے اور ہو رہی ہے۔ عیسائی مورخوں نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۶ تا ۲۵۱ میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان پر اعتراضات کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن پاک کو غلط ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اردو زبان میں سر سید احمد خاں غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عیسائی مورخوں کے اعتراضات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں مگر اس کے باوجود ہندوستان کے متوسط طبقے کا تو کیا ذکر "اعلیٰ طبقے" میں بھی بے سر و پا روایات اور بے سند کہانیوں پر یقین رکھنے والوں کا وہی فی صد آج بھی برقرار ہے جو انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر یا اس سے پہلے کی صدیوں میں تھا۔

سورۂ بقرہ کی درج بالا آیتوں کے ترجمے اور تفسیر کے سلسلے میں ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی نے جو روش اختیار کی ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ ہم اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے چند اور آیتوں کی تفسیر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

..... "حرام نکردہ است خدای تعالیٰ بحیرہ را و سائبہ و وصیلہ و حام، ولیکن کافران دروغ می گویند بر خدای تعالیٰ کہ وی کردہ است اینہا را بر ما حرام، و بیشترین ایشان بی خرد انند مقلد انند دعام، بحیرہ مادہ شتری بدی کہ پنجم شکم بزادی، و آخر وی نر بودی، گوش وی بشکافتندی، و وی را رہا کردندی، و بر وی دیگر نہ نشستندی بار ننہادندی و شیر وی نخوردندی، و پشم وی نبریدندی، و از ہیچ آب و گیاہ او را باز نداشتندی، و سائبہ مادہ شتری بودی، کہ خداوندش نذر کردہ بودی، کہ اگر بیماری من بہتر شود، یا غایب من بہ سلامت باز آید، یا مال من بہ من باز رسد، وی را، رہا کنم بر بیابان، و تعرض نکردی وی را کسی از مردمان، و باز نداشتندی وی را از ہیچ آب و گیاہ و وصیلہ میشی بودی کہ پنجم شکم بزادی، و شکم پنجم نری و مادہ ای بہم آوردی، گفتندی وصلت اخاہا و وی را بدین سبب وصیلہ نام کردندی، و منافع وی بر خویشتن حرام کردندی و حامی شتر گشنی، بودی کہ بہ گشن وی دہ بچہ گشن حاصل شدہ بودی، گفتند حمی ظہرہ و وی را حامی خواندندی؛ و وی را رہا کردہ بر مثال آنہا کہ گفتیم رہا کردندی۔"

(بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ اور حام (حامی) کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا ہے مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفار اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کہ اس نے ہم پر ان کو حرام کیا ہے، اور ان کفار میں سے بیشتر لوگ بے عقل ہیں اور سفلے۔ بحیرہ وہ اونٹنی تھی جو پانچ بچے جنتی اور اس کا آخری بچہ نر ہوتا، اس کے کان کو شگاف دیتے اور چھوڑ دیتے، پھر اس پر نہ سواری کرتے نہ بوجھ رکھتے اور نہ اس کا دودھ پیتے نہ اس کے بالوں کو کاٹتے اور کسی بھی چارہ پانی سے اس کو نہ روکتے اور سائبہ وہ اونٹنی تھی جس کے لیے اس کا مالک منت مانتا کہ اگر "میری بیماری دفع ہو جائے یا مجھ سے بچھڑا اسلامتی کے ساتھ واپس آئے، یا میرا مال مجھے واپس مل جائے تو میں اس کو جنگل میں چھوڑ دوں گا" لوگ اس سے کوئی تعرض نہ کرتے اور کسی پانی اور چارے سے نہ روکتے اور وصیلہ وہ بھیڑ تھی کہ پانچویں بار بچہ جنتی اور پانچویں بار ایک نر اور ایک مادہ کو جنم دیتی (اس کے لیے) لوگ کہتے وَصَلَتْ اَخَاهَا (وہ اپنے بھائی کے پاس پہونچی) اور اسی لیے اس کو وصیلہ کے نام سے موسوم کرتے اور اس سے فائدہ اٹھانا اپنے اوپر حرام قرار دیتے اور حام (حامی) وہ نر[2] اونٹ ہوتا جس کے نطفے سے دس نر بچے پیدا ہوئے ہوتے (اس کے لیے) لوگ کہتے حمی ظہرہ (اپنی پیٹھ کی مدافعت کی) اور اس کو حام کا نام دیتے اور اس کو اسی طرح آزاد کر دیتے جس طرح ہم دوسرے جانوروں کے آزاد کرنے کو بتلا چکے ہیں)

درج بالا آیت میں حیوانوں کے جتنے ناموں کا استعمال ہوا ہے نزولِ قرآن کے زمانے کے عرب اُن سے بہ خوبی واقف تھے اپنے اجداد کی طرح وہ بھی "نذر" کے طور پر حیوانوں کو آزاد چھوڑ دیا کرتے تھے اور انہی ناموں سے اُن کو منسوب کرتے اس لیے ان الفاظ کی تشریح اور تفہیم کی اُن کو مطلق ضرورت نہ تھی لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا خود عربوں کے لیے بھی یہ الفاظ محتاجِ تشریح بن گئے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی جیسے الفاظ کے ایک معنی نہ رہ گئے

---

[1] اِشٹنگاز (Steingass) نے عام کے ایک معنی The Vulgar بھی لکھے ہیں ہم نے اسی کے ترجمے کو یہاں ترجیح دی ہے۔ [2] گشن کسی بھی جانور کے نر کو کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ مختلف لوگ مختلف طور پر اُن کی تعبیر و تشریح کرتے رہے ۔

اوپر کی سطروں میں اِن جانوروں کی جو شناخت بتائی گئی ہے وہ چھٹی صدی ہجری کے ایک غیر عرب (وسط ایشیائی) مفسر کی بیان کردہ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ بعد کے زمانے کے لوگوں نے اِس مفسر سے کس حد تک اختلاف کیا ہے اور کس حد تک اتفاق ؛ ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف بیسویں صدی کے تین عالموں کی تحریروں تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بحیرہ کے جو معنی لکھے ہیں وہ وہی ہیں جو ابو حفص نسفی نے لکھے ہیں ۔ سائبہ کو مولانا مودودی نے اونٹ یا اونٹنی لکھا ہے جب کہ نسفی نے اس کو صرف اونٹنی قرار دیا ہے ۔ علاوہ بریں مولانا مودودی نے سائبہ کے لیے تحریر کیا ہے کہ "جس اونٹنی نے دس مرتبہ بچے دیئے ہوں اور ہر بار مادہ ہی جنی ہو"، نسفی نے سائبہ کے لیے اس طرح کی کوئی بات تحریر نہیں کی ۔ وصیلہ کو مولانا مودودی نے بکری اور نسفی نے بھیڑ[1] قرار دیا ہے مولانا مودودی نے تحریر کیا ہے "اگر بکری کا پہلا بچہ نر ہوتا تو وہ خداؤں کے نام پر ذبح کر دیا جاتا اور اگر وہ پہلی بار مادہ جنتی تو اسے اپنے لیے رکھ لیا جاتا تھا لیکن اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو ذبح کرنے کے بجائے یونہی خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اسی کا نام وصیلہ تھا"۔ نسفی کے نزدیک "حام" نر اونٹ تھا جس کے نطفے سے دس نر بچے پیدا ہو چکے ہوتے مگر مولانا مودودی کے نزدیک وہ نر اونٹ "حام" تھا جس کا پوتا سواری دینے کے قابل ہو جاتا اور اُس بوڑھے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا علاوہ ازیں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے "نیز اگر کسی اونٹ کے نطفے سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے بھی آزادی مل جاتی"[2] دس بچوں کی بات تک نسفی اور مولانا مودودی متفق ہیں مگر پوتے کا ذکر اور دادا کا حام ہونا نسفی کے یہاں نہیں ہے ۔

---

[1] میش کا لفظ کبھی کبھی بکری کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ غلط بھی ہے اور بہت ہی کم مستعمل بھی اِس لیے ہم نے اس کا ترجمہ بھیڑ ہی کیا ہے ۔

[2] تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۵۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیسویں صدی عیسوی ہی کے مگر مولانا مودودی سے متقدم ایک مشہور عالم دین اور مفسر قرآن مولانا اشرف علی تھانوی نے مذکورہ اسما کے لیے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ نہ تو ابوحفص نسفی کی تحریر کے عین مطابق ہے نہ ہی مولانا مودودی کی تحریر کے۔ مولانا تھانوی کے الفاظ یہ ہیں:

"بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے اسے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا اور سائبہ وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اس سے کوئی کام نہ لیتے جیسے اس ملک میں بعض لوگ سانڈ چھوڑتے ہیں اور وصیلہ وہ ناقہ ہے جو پہلی بار مادہ بچہ جنے پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ دے درمیان میں نر بچہ نہ پیدا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور حامی وہ نر اونٹ ہے جو ایک خاص شمار سے جفتی کر چکا ہو اُس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے[۱]۔

مولانا اشرف علی تھانوی سے عمر میں چھوٹے اور مولانا مودودی سے بڑے ایک دوسرے عالم دین و مفسر مولانا شبیر احمد عثمانی نے اِن اصطلاحات کے بارے میں یہ تحریر کیا ہے۔

"بحیرہ، صائبہ (؟ سائبہ) وصیلہ حامی یہ سب زمانۂ جاہلیت کے رسوم و شعائر سے متعلق ہیں۔ مفسرین نے اِن کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے ممکن ہے کہ اِن میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو۔ ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ بحیرہ جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانے کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وصیلہ جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

---

[۱] عکسی قرآن مجید مترجم مطبوعہ کتب خانہ اشاعتِ اسلام چوڑی والان دہلی سنہ ندارد ص ۱۵۱ ہمارے سامنے مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن کا اختصار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حامی نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے[1]"

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے نزول قرآن کے زمانے کے عرب زیر بحث مصطلحات سے بخوبی واقف تھے اس لیے اُن کو کسی تعبیر و تشریح کی ضرورت نہ پڑی تھی لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا لوگوں کے درمیان اِن اصطلاحات کے معانی و مفاہیم میں اختلاف ہوتے لگا مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی لفظی فرق و اختلاف نہیں ہے بلکہ سنگین ہے۔ اِن اصطلاحوں کے لیے عربوں نے جو کچھ لکھا ہو اس سے بحث مقصود نہیں دکھلانا یہ ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے وسط ایشیا کی فارسی زبان میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کے کیا معنی و مفہوم تھے۔

اِسی طرح کی ایک بحث حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اس واقعے کے سلسلے میں بھی ہوتی رہی ہے جس کا ذکر سورۂ انعام کی آیات ۷۶ تا ۷۸ میں ہوا ہے۔ ہم اس سلسلے میں بھی پہلے کلام پاک کی آیت بعد ازاں ابوحفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی تحریر نقل کرنے کے بعد چند مفسروں کی رایوں کا مقابلہ و موازنہ نسفی کی تحریر سے کریں گے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔

"چون شب تاریک درآمد و روز را فروپوشید، ستارہ [ای] بدید؛ گویند مشتری بود، وگویند زہرہ بود، وگویند جز آن بود، وآن بہ حضرت جماعتی ستارہ پرستان بود، وقصد وی باطل کردن اعتقاد ایشان بود۔ گفت! اینست پروردگار من واین بر طریق انکار بود، نہ بر طریق تقریر و اقرار بود، چون فرو رفت آن گفت دوست ندارم فرو رو[د] ندگان را، واین تنبیہ بود آنان را، کہ تغییر و زوال، و تحوّل از حال بہ حال، بر خداوند تعالیٰ داانند محال۔"

[جب کالی رات آگئی اور اُس نے دن کو چھپا لیا۔ انھوں (حضرت ابراہیمؑ)

---

[1] قرآن پاک ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب، تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس مدینہ منورہ ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۹ء) ص ۱۶۵۔ مولانا عثمانی کی اس تحریر سے مولانا تھانوی کا ماخذ بھی صحیح بخاری کی یہی روایت معلوم ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ایک ستارے کو دیکھا، لوگ کہتے ہیں کہ وہ (ستارہ) مشتری تھا اور (کچھ) لوگ کہتے ہیں زہرہ تھا اور (دیگر لوگ) کہتے ہیں کہ ان دونوں کے علاوہ تھا اور حضرت ابراہیم[۱] علیہ السّلام ستارہ پرستوں کی ایک جماعت کے درمیان[۲] تھے اور اُن کا ارادہ اُس جماعت کے عقیدے کو رد کرنے کا تھا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے تردید و انکار کے طور پر نہ کہ تائید و اقرار کے طور پر فرمایا، یہ ہے میرا رب۔ جب وہ (ستارہ) ڈوب گیا تو انھوں نے فرمایا میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ ان لوگوں کو تنبیہ تھی، کیونکہ وہ (حضرت ابراہیمؑ) اللہ تعالیٰ (کی ذات) میں تبدیلی اور زوال اور ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانے کو ناممکن سمجھتے تھے۔]

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ

"چون دید ماہ را برآیندہ، و بہ نزد وی جماعتی ماہ پرستندہ، گفت: اینست پروردگارمن بروجہ انکار، نہ بروجہ اثبات این کار؛ چون فرورفت گفت اگر ثابت ندارد مرا خدای من برہدایت، باشم من از اہل ضلالت۔"

[جب چاند کو نکلا ہوا دیکھا، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے آس پاس چاند کی پرستش کرنے والی ایک جماعت (تھی)، حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے انکار کے طور پر نہ کہ اثبات کے طور پر فرمایا، یہ ہے میرا رب۔ جب وہ ڈوب گیا تو انھوں نے فرمایا، اگر میرا اللہ مجھ کو ہدایت پر قائم نہ رکھے، میں اہلِ ضلالت میں سے ہو جاؤں۔]

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

---

[۱] ہم نے "وہ" کی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اسم گرامی لکھا ہے۔

[۲] حضرت بہ معنی Presence بھی مستعمل ہے ہم نے اردو زبان کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مفہوم کو لفظ "درمیان" سے ادا کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"چون دید آفتاب را برآئیدہ، دآنجا قوم آفتاب را پرستندہ، گفت اینست خدای من، بروجہ ردقول آن انجمن، این کلان ترآمد، ونوروی رخشان ترآمد؛ چون فرورفت گفت من بیزارم ازآنچہ، شما شریک می آریت، دیدان اعتقادی داریت"

[جب سورج کو نکلا ہوا دیکھا، وہاں پر سورج کو پوجنے والی قوم (تھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن لوگوں کے قول کی تردید کے طور پر فرمایا، یہ سب سے بڑا اور نور میں سب سے روشن آیا۔[1] جب وہ ڈوب گیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم لوگ جن کو شریک کرتے اور جن پر اعتماد رکھتے ہو، میں اُن سب سے بیزار ہوں]

کلام پاک کی جن تین آیتوں کا متن اور اُن کے متعلق تفسیر نسفی کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں اُن کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ابوحفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی کے نزدیک اِن آیتوں میں جو مضمون اور جو واقعہ نقل ہوا ہے اُس میں اُن کو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی تشریح و توجیہ و تاویل کے لیے اُس زمانے کے تمام مروجہ علوم وفنون کی مدد لی جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے تھے اُس کی تاریخ کی چھان بین کی جائے، اس بات پر بحث کی جائے کہ کیا ایک ہی وقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھا تھا یا مختلف اوقات میں؟ مزید برآن ہٰذا ربی کے لغوی معنی لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو وقتی شرک کا الزام عائد ہوتا ہے اُس کو رفع کرنے کے لیے لایعنی صغریٰ وکبریٰ کو ملایا جائے اور یہ تصور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی والدہ معظمہ نے بادشاہ وقت کے ڈر سے ایک غار میں جنا اور اُس کا منہ پتھر سے ڈھک دیا، ان کی پرورش فرشتے نے کی جس رات درج بالا واقعہ پیش آیا اُس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے آسمان دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب انھوں نے آسمان اور اُس ستارے کو دیکھا تو ہٰذا ربی کہہ دیا۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس کی تشریح مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے دلکش انداز میں کی ہے۔

---

[1] اردو زبان کی لطافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے ایک "آمد" کا ترجمہ حذف کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودی کا ابتدائی جملہ اُن تمام مباحث کا احاطہ کرلیتا ہے جو انھوں نے اپنی طول طویل تحریر میں قاری کی تشفی کے لیے سپردِ قلم کیا ہے۔ مولانا مودودی کا جملہ یہ ہے:

"یہاں حضرت ابراہیم کے اُس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے اُن کے لیے حقیقت تک پہونچنے کا ذریعہ بنا۔"[1]

سرسید احمد خاں جو علماء کے حلقے میں اپنی "عقلیت" کے لیے بدنام ترین شخص ہیں انھوں نے بھی درج بالا آیتوں کی تعبیر و تشریح میں خاصی طولانی گفتگو کی ہے اور مولانا مودودی ہی کی طرح "ایک تفکر اور سوچ" کی حالت کا ذکر کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے:

"اسی حالت میں ایک رات ستارہ اور چاند اور اس کے بعد سورج کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کو وہ خیال آیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے پس ضرور نہیں کہ وہ ...ت پہلی ہی رات ہو جو انھوں نے دیکھی تھی۔"[2]

اس کے ...لاوہ سرسید احمد خاں نے علمائے اسلام کی اس مشکل کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے کہ ایک طرف تو عقیدے کے مطابق انبیاء علیہ السلام شرک اور کفر کے مرتکب نہیں ہوسکتے اور دوسری طرف خود قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ چاند اور سورج کو دیکھ کر اُن میں سے ہر ایک کو اپنا رب قرار دیا۔ "ہذا ربی" کہنے کی علمائے اسلام نے کلامی اور فلسفیانہ انداز سے بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ سرسید احمد خاں کے نزدیک اِن تاویلوں کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ "یہ امر نہایت صاف ہے جس میں کچھ مشکل نہیں" پھر اس "نہایت صاف امر" کی قدرے طویل تاویل کرنے کے بعد آخر کار وہ بھی دوسری آیات کے مطالعے کی مدد سے اُسی نتیجے پر پہونچے ہیں جس پر ابوحفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی صدیوں پہلے پہونچ چکے تھے۔ سرسید احمد خاں کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"اِس بیان کی تشریح بعد کی آیات سے بخوبی ہوتی ہے حضرت ابراہیمؑ

---

[1] تفہیم القرآن ج ۱، ص ۵۵۶

[2] تفسیر القرآن ج ۱، (خدا بخش لائبریری ایڈیشن) تفسیر سورۂ انعام ص ۴۵-۳۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فرمایا ہے کہ "میں نہیں ڈرتا اُس سے جس کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو" یہ اقوال صاف اِس بات پر دال ہیں جن کی نسبت حضرت ابراہیم نے ربی کہا تھا، اُن کو مالک اور قادر نفع نقصان پہونچانے پر نہیں[۱] مانا تھا"

اس سلسلے میں یہ بات یاد دلانی ضروری ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیجے کو ابوحفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی ہی کی طرح "استفہام انکاری" قرار دیا ہے اور اِسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا ہے" مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں مگر ہمارے خیال میں یہی راجح ہے[۲]۔

درج بالا چند مثالوں سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس فارسی تفسیر کا انداز بیان اور آیتوں کی تشریح و تاویل و توجیہ کا طریقہ کیا ہے؟ اس تفسیر نسفی کا شمار اُن تفسیروں میں کرنا مشکل ہے جو کلام پاک کے متن کے ایک ایک لفظ کو کھول کر بیان کرتے ہوئے منشائے الٰہی کو سمجھنے کی سعی و کاوش کرتی ہیں۔ علاوہ براین اس کو مجرد ترجمہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ تفسیر دونوں کا ایسا آمیزہ ہے کہ ایک جزو کو دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک وصف اِس تفسیر کا اس کا اختصار بھی ہے لیکن اس کے باوجود جہاں تہاں اسرائیلیات کی "جلوہ فرمائیاں" نظر آتی ہیں۔ یہ وہ عیب ہے جس سے شاید ہی کوئی قدیم تفسیر محفوظ ہو۔ اس تفسیر کو مکشوف ہوئے تقریباً ربع صدی کا عرصہ ہونے کو آیا مگر افسوس ہے کہ اردو دنیا اب بھی اس کے وجود سے ناواقف ہے۔ درج بالا سطروں کو تحریر کرنے کا مقصد اہل علم کی توجہ اِس طرف مبذول کرانی ہے کہ اس تفسیر کا بھی تفصیلی مطالعہ ہونا چاہیے اور اُس حاصل مطالعہ سے اردو دنیا کو باخبر کرانا چاہئے۔

۱؎ تفسیر القرآن ج ۱، ص ۷۴

۲؎ کلام پاک مطبوعہ مدینہ منورہ ص ۱۸۲

© rasailojaraid.com